دانا حکیم

مائل خیرآبادی

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دانا حکیم

نام تو ان کا کچھ اور تھا لیکن ان کی سمجھداری کی وجہ سے لوگ انھیں دانا حکیم کہنے لگے۔ دانا کے معنیٰ ہیں سمجھدار اور حکیم کے معنیٰ ہیں حکمت والا۔ وہ ایسے سمجھدار اور حکمت والے تھے کہ لوگ ان سے مشورے لیتے۔ ان کے مشوروں پر عمل کرتے اور پھر سچ مچ لوگوں کا کام بن جاتا۔ دھیرے دھیرے سمجھداری اور حکمت میں وہ اتنے مشہور ہو گئے کہ ہر وقت ان کے آس پاس لوگوں کا جھمگھٹا لگا رہتا۔ لوگ ہر وقت ان سے رائے اور مشورے لیتے رہتے۔ اب انھیں اتنا بھی موقع نہ ملتا کہ وہ ٹھیک سے سو سکیں۔ ذرا ذرا دیر کے بعد کوئی نہ کوئی ان کے دروازے کی کنڈی بجاتا اور حکیم صاحب کو باہر آنا پڑتا۔ وہ ایسے مروّت دار آدمی تھے کہ ان سے انکار بھی نہیں ہوتا تھا، آخر گھبرا کر گھر سے بھاگ نکلے وہ ایک طرف چلے۔ راستے میں کچھ مسافر ملے۔ ان ہی کے ساتھ ہو لیئے۔ انھوں نے اپنے بارے میں کچھ بتایا نہیں تھا کہ وہ کون ہیں اور ان کا نام کیا ہے۔ جانتے تھے نا! کہ اگر ان کو معلوم ہو گیا تو ہر وقت گھیرے رہیں گے۔ اور پھر ایک منٹ کو تنہائی نہ مل سکے گی کہ کچھ اپنی دلچسپی کا کام کر لیں یا آرام کر سکیں۔ لیکن وہ جو کسی شاعر نے کہا ہے کہ: ؎

نگاہیں کاملوں پر پڑ ہی جاتی ہیں زمانے کی
کہیں چھپتا ہے اکبر پھول پتوں میں نہاں ہو کر

تو ایسا ہی ہوا۔ حکیم صاحب ان کے ساتھ جا رہے تھے۔ راستے میں کھانے کا وقت

آیا، تو سب کھانا کھانے بیٹھے۔ اب دیکھیے مزے کی بات، سب کے پاس روٹیاں تھیں اور بوتل میں سرکہ لیکن کسی کے پاس کوئی ایسا برتن نہ تھا کہ اس میں سرکہ انڈیل لیتے اور روٹی کے ساتھ کھاتے۔ سب نے آپس میں مشورہ کیا۔ کسی کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ حکیم صاحب کی سمجھ میں ایک ترکیب آگئی۔ انھوں نے زمین کھود کر پیالے بھر ایک گڈھا بنایا۔ اس گڈھے میں چمڑے کا ایک ٹکڑا اچھا کر دبایا تو چمڑا گہرا ہو گیا۔ اب سب سے کہا کہ اس "پیالے" میں سرکہ انڈیل دو اور روٹی سے کھاؤ۔

یہ ترکیب دیکھ کر سب بہت خوش ہوئے۔ سب نے ان کی سمجھ کی تعریف کی اور انھیں مزا بھی آگیا۔ سرکہ کے ساتھ روٹی کھائی، پھر آگے چلے۔ آگے چلے تو ملا ریگستان۔ ریگستان میں دور دور تک ریت ہی ریت ہوتی ہے۔ دن میں ریت بہت گرم ہو جاتی ہے اور اس میں چلنا بہت مشکل ہو جاتا ہے اور گرمی بھی بڑی سخت لگتی ہے۔ لوگ جب ریگستان میں سفر کرتے ہیں تو اپنے پاس پانی بہت زیادہ رکھ لیتے ہیں۔

اچھا بھائی۔ پانی تھا تو ان لوگوں کے پاس لیکن سب کے پاس ختم ہو گیا۔ صرف ایک آدمی ایسا تھا جس کے پاس چھاگل میں پانی تھا۔ ریگستان میں چلتے چلتے سب کو پیاس لگی تو سب نے اس آدمی سے پانی مانگا۔ اب سُنیے،...... وہ آدمی تھا یہودی کنجوس مکھّی چوس اس نے کہا کہ میں یہ ایک چھاگل پانی سو روپیہ میں دوں گا۔

"اتنا مہنگا"، سب مسافروں کی زبان سے نکلا لیکن حکیم صاحب نے کہا۔

"مہنگا نہیں سستا ہے بلکہ مفت میں مل رہا ہے خرید لو۔"

"واہ واہ! سستا اور مفت کیسے ہے۔ سو روپیہ میں تو دے رہا ہے۔" مسافروں نے دانا حکیم سے کہا۔

"میں کہتا ہوں کہ خرید لو۔ نہیں تو پیاس کے مارے مر جاؤ گے"، حکیم صاحب نے پھر رائے دی۔ آخر مرتا کیا نہ کرتا۔ سب نے اپنے پاس سے روپیہ نکالے۔ سو روپیہ

پورے کر کے یہودی کو دیے اور اس سے پانی کی چھاگل لے لی۔ آگے چلے۔
سرکہ روٹی کھانے سے پیاس خوب لگتی ہے کچھ دیر کے بعد سب کو پیاس لگی۔ انھوں نے چھاگل سے پانی پیا۔ یہودی نے ان سے کہا "ایک پیالہ پانی مجھے بھی دیدو۔" لوگ دانا حکیم کی طرف دیکھنے لگے۔ دانا حکیم نے یہودی سے کہا کہ ایک پیالہ پانی دس روپیہ کا ملے گا۔"

"اتنا مہنگا" یہودی نے کہا "میں تو اتنا مہنگا پانی خرید کر نہیں پیوں گا۔" کنجوس مکھی چوس نے پانی نہیں پیا لیکن تھوڑی دیر کے بعد وہ پیاس سے بے دم ہو گیا۔ آخر اس نے دس روپیہ نکالے۔ حکیم صاحب سے کہا "یہ لیجیے دس روپیہ اور ایک پیالہ پانی دلا دیجیے۔" حکیم صاحب نے اس سے کہا۔ "اب ایک پیالہ پانی کی قیمت پچاس روپیہ ہے۔ پانی پینا ہو تو پچاس روپیہ دو۔"
"اف... فوہ! اتنا مہنگا، میں تو اتنا مہنگا پانی خرید کر نہ پیوں گا۔" کنجوس مکھی چوس نے پانی نہیں خریدا۔ وہ پیاسا ہی چلا لیکن تھوڑی دور چل کر وہ پیاس کے مارے تڑپنے لگا۔ اب اس نے پچاس روپیہ نکالے اور حکیم صاحب سے کہا۔
"یہ لیجیے صاحب پچاس روپیے اور ایک پیالہ پانی دلا دیجیے"، حکیم صاحب نے کہا کہ اب پانی کی قیمت سو روپیہ ہو گئی۔
یہودی پیاس کے مارے تڑپا جا رہا تھا۔ اس کی جان لبوں پر آرہی تھی۔ مرتا کیا نہ کرتا۔ اس نے سو روپے دیئے اور ایک پیالہ پانی لے کر پیا۔ اب حکیم صاحب نے اپنے ساتھیوں سے کہا "دیکھو، میں نے تم سے کہا تھا کہ بہت سستا بلکہ مفت ہے پانی خرید لو۔ تو بھائیو! رہا نہ پانی مفت۔ بلکہ اس سے کچھ نہ کچھ نفع ہی ہوا.... پانی تمھارے پاس موجود ہے اور تمھارے سو روپیہ تمھارے پاس آگئے۔
مسافر حکیم صاحب کی دانائی پر دنگ رہ گئے۔ حکیم صاحب نے کہا۔

ابھی دیکھو، آگے کیا ہوتا ہے۔ آگے چل کر پھر سب کو پیاس لگی۔ یہودی کو بھی پیاس لگی۔ اس نے کہا "مجھے بھی پانی پلاؤ" اب پھر سب نے دانا حکیم کی طرف دیکھا۔ حکیم صاحب نے کہا "اب پانی کی قیمت اتنی ہے جتنا تمھارے پاس سامان ہے۔ سامان دو اور پانی لو"
یہودی پریشان ہونے لگا مگر پریشان ہونے سے پیاس کم تو ہوتی نہیں بلکہ بڑھتی ہے اس کی پیاس بڑھی اور آخر میں یہ ہوا کہ اس نے اپنا کل سامان دے کر پانی خریدا اور پھر جب پانی کی ضرورت ہوئی تو اب دانا حکیم کے قدموں پر گر پڑا کہ کسی طرح اس کی جان بچائیں۔"

اب حکیم صاحب نے اُسے سمجھایا کہ دیکھ! یہ سب تیرے ہاتھوں ہوا۔ بے رحمی سے کام لیا۔ سو روپیہ لے کر پانی دیا تو نے۔ تیرا کیا تیرے آگے آیا۔ سُن جب ایک ساتھ لوگ سفر کرتے ہیں تو انھیں چاہیے کہ راستے میں ایک دوسرے کے ہمدرد رہیں۔"
میں نے تجھ کو یہ نصیحت دینے کے لئے تیرا سامان پانی کے بدلے لیا ورنہ ہمیں تو یہ پسند نہیں۔"

یہ کہہ کر دانا حکیم نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ سامان واپس کر دو اور اسے پانی پلا دو۔ لوگوں نے سامان واپس کر دیا اور اسے پانی پلا دیا اور کہا کہ اب کبھی ایسی بات نہ کرنا۔ اس کے بعد سب دانا حکیم کی اس حکمت پر حیران بھی ہوئے اور خوش بھی۔ حیرانی یہ کہ کیسی حکمت کے ساتھ یہودی سے روپیے واپس لے لیے اور خوشی اس بات کی کہ آخر میں کیسی اچھی طرح نصیحت کی۔

اس واقعہ کے بعد پھر سب آگے بڑھے۔ چلتے چلتے مغرب کا وقت ہوگیا۔ مغرب کے وقت سب ایک ندی کے کنارے پہنچے۔ ندی پار کرنے کے لیے گھاٹ تلاش کرنے لگے۔ گھاٹ ملا۔ گھاٹ پر نادیں بندھی تھیں۔ پاس ہی جھونپڑی میں ایک شخص بیٹھا تھا۔ اس سے کہا گیا کہ "بھائی! ہمیں ندی پار کرا دو اور اپنی اُجرت لے لو۔"

اس نے جواب دیا کہ گھاٹ کا ٹھیکیدار اس وقت موجود نہیں ہے۔ اس نے حکم دے رکھا ہے کہ رات کے وقت کسی کو ندی پار نہ ہونے دیا جائے۔ تم لوگ ٹھیکیدار سے اجازت لے آؤ تو میں ناؤ میں بٹھا کر اس طرف اتار دوں گا۔ ٹھیکیدار اس سامنے والے گاؤں میں رہتا ہے۔

مسافروں نے ٹھیکیدار کے پاس جانے کے لیے دانا حکیم کو چنا۔ دانا حکیم گاؤں کی طرف چلے۔ گاؤں میں پہنچے۔ ٹھیکیدار سے ملے۔ اس سے حال کہا۔ ٹھیکیدار نے بتایا کہ حاکم شہر نے منع کر دیا ہے کہ کسی کو رات کے وقت ندی پار نہ اُتارا جائے۔

ٹھیکیدار کی اس بات کا جواب حکیم صاحب نے یہ دیا کہ بھائی! ہم تو چند مسافر ہیں۔ ہم سے خطرہ ہی کیا ہے؟

"بات تو آپ ٹھیک کہتے ہیں لیکن میں حکم سے مجبور ہوں۔" یہ ٹھیکیدار کا دوسرا جواب تھا۔

دانا حکیم نے دیکھا کہ ٹھیکیدار کسی طرح نہیں مانتا تو اس سے کہا "اچھا بھائی! تم اپنے ناؤ کھینے والے کو یہی لکھ دو کہ ان لوگوں کو روکو مت جانے دو۔"

اس نے کہا "یہی تو حکم ہے۔ اس کے لکھنے میں کیا حرج ہے۔ اس کے بعد اس نے ایک پرچے پر لکھا کہ "ان لوگوں کو روکو مت جانے دو۔"

حکیم صاحب یہ پرچہ لے کر گھاٹ پر آئے۔ ناؤ کھینے والے سے کہا "کہ لو بھائی! ٹھیکیدار نے لکھ دیا ہے کہ ان لوگوں کو روکو مت جانے دو۔" یہ پرچہ پاکر اس نے ناؤ کھولی۔ سب کو اس پر بٹھایا اور ندی کے پار لے جاکر اتار دیا اور لوٹ گیا۔ حکیم صاحب اپنے ساتھیوں کو لے کر شہر کی طرف چلے۔ جیسے ہی شہر کے دروازے پر پہنچے۔ سپاہیوں نے ان کو گرفتار کر لیا۔ رات بھر انھیں حوالات میں رکھا۔ صبح کو حاکم شہر کے پاس لے گئے تو وہاں دیکھا کہ گھاٹ کا ٹھیکیدار بھی قیدی بنا کھڑا ہے اور اس کے ساتھ اس کا

ناؤ کھینے والا بھی۔

جب یہ سب پہنچ گئے تو حاکم شہر نے ٹھیکیدار سے کہا کہ تو نے رات کے وقت ان سب کو ندی پار کیوں اترنے دیا۔ ٹھیکیدار نے جواب دیا "حضور! میں نے صاف صاف لکھدیا تھا کہ ان لوگوں کو روکو، مت جانے دو۔ لیکن یہ میرے اس ناؤ کھینے والے کی غلطی ہے کہ اس نے ان سب کو دوسری طرف اتار دیا۔

اب حاکم شہر ناؤ کھینے والے کی طرف متوجہ ہوا۔ اس سے کہا "کیوں تو نے ٹھیکیدار کا کہنا نہ مانا؟

حاکم شہر سے یہ سنکر ناؤ کھینے والے نے دانا حکیم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ حضور! اس نے تو اسی حکم کو یوں پڑھ کر سُنایا تھا کہ ان لوگوں کو روکو مت۔ جانے دو۔ میں نے روکا نہیں اور انھیں پار اتار دیا۔

"کہاں ہے وہ پرچہ؟"

"یہ رہا حضور!"

اور یہ کہہ کر ناؤ کھینے والے نے پرچہ حاکم شہر کو دیدیا۔ حاکم شہر نے پرچہ پڑھا، لکھا تھا کہ "ان لوگوں کو روکو مت جانے دو۔" پرچہ دیکھ کر حاکم شہر مسکرایا۔ اس نے کہا کہ پرچے میں لکھا ہوا یہ جملہ پڑھتے وقت اگر لفظ "روکو" پر ذرا ٹھہر کر پڑھا جائے گا تو مطلب یہ ہوگا کہ ان لوگوں کو روکو، مت جانے دو اور اگر لفظ "مت" پر ذرا ٹھہر کر پڑھا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ان لوگوں کو روکو مت، جانے دو۔

یہ کہہ حاکم شہر نے ٹھیکیدار سے کہا کہ تو نے ایسا جملہ کیوں لکھا کہ اس سے دونوں طرح کا مطلب سمجھا جائے۔

اب تو ٹھیکیدار گھبرایا۔ اس نے دانا حکیم کی طرف اشارہ کر کے کہا "حضور! مجھ سے تو اس شخص نے کہا کہ اچھا یہی لکھدو کہ ان لوگوں کو روکو، مت جانے دو۔" میں نے

لکھ دیا۔ اب مجھے کیا معلوم تھا کہ پرچہ لے جاکر یہ شخص میرے آدمی کو بے وقوف بنا دے گا اور اپنا کام نکال لے گا۔

حاکم شہر دانا حکیم کی اس دانائی پر دنگ رہ گیا۔ اس نے ٹھیکیدار کو معاف کر دیا اور اسکولوں اور کچہریوں اور سارے کاتبوں (لکھنے والوں) کے پاس یہ حکم بھجوا دیا کہ لکھتے وقت جملوں کے درمیان جہاں ضرورت ہو وہاں ایسے نشانات ضرور لگا دیں کہ جملے کا مطلب ٹھیک ٹھیک سمجھا جا سکے۔ یہ حکم بھیج کر دانا حکیم کو اس نے اپنے مصاحبوں میں رکھ لیا اور ان کے سارے ساتھیوں کو عزت کے ساتھ تین دن مہمان رکھا اور پھر بہت کچھ دے کر رخصت کیا۔

کہتے ہیں کہ اس وقت سے کتابوں میں وقفہ یعنی کاما کا نشان اس طرح ، سے بنایا جانے لگا۔ جملے کے آخر میں ڈیش اس طرح ۔ بنایا جانے لگا اور کسی کو پکارنے کا نشان اس طرح ! اور سوالیہ جملہ کا اس طرح ؟ وغیرہ۔

حکیم صاحب کی عادت تھی کہ وہ نوابوں، حاکموں اور بادشاہوں سے بہت گھبرایا کرتے تھے۔ ان لوگوں کے سامنے جس ادب اور تعظیم کے ساتھ کھڑے ہونا اور بیٹھنا پڑتا تھا وہ دانا حکیم کو پسند نہ تھا۔ ایسی ہی اور باتیں تھیں جن کی وجہ سے حکیم صاحب تھوڑے ہی دنوں میں حاکم شہر کے پاس رہنے سے گھبرا گئے۔ آخر انھوں نے حاکم شہر سے اجازت لی کہ گھر ہو آؤں۔ حاکم شہر نے اجازت دیدی۔ حکیم صاحب اس کے شہر سے نکلے۔ ایک قافلے کے ساتھ چلے اور پھر کبھی حاکم شہر کے پاس نہ گئے۔

دو مقدمے

دانا حکیم اس قافلے کے ساتھ جا رہے تھے۔ کئی دن چلتے رہے۔ راستے میں

کوئی شہر پڑتا یا اور کوئی ٹھہرنے کی جگہ ہوتی تو قافلہ ٹھہر جاتا۔ حکیم صاحب بھی ٹھہر جاتے۔ ایک دن قافلے کے ساتھ جارہے تھے۔ راستے میں ایک شخص ملا۔ اس نے قافلے والوں سے پوچھا "کیا ادھر سے کوئی اونٹ گیا ہے؟" قافلے والوں نے جواب دیا کہ ہم نے نہیں دیکھا لیکن حکیم صاحب نے اس شخص سے اس طرح باتیں شروع کر دیں۔

حکیم صاحب: "کیا تمھارا اونٹ کانا ہے؟"

وہ شخص: "جی ہاں میرا اونٹ کانا ہے۔"

حکیم صاحب: "تمھارا اونٹ دُم کٹا بھی ہے؟"

وہ شخص: "جی ہاں میرے اونٹ کی دُم کٹی ہے۔"

حکیم صاحب: "اس کا ایک پاؤں لنگ کرتا ہے؟"

وہ شخص: "جی ہاں، وہ لنگڑا بھی ہے۔"

حکیم صاحب: "تھارا اونٹ بدکا ہوا ہے؟"

وہ شخص: "جی ہاں" وہ ایسا بھی ہے بھائی جلدی بتاؤ وہ کدھر گیا؟"

حکیم صاحب: "میں نے تمھارا اونٹ دیکھا ہی نہیں تو پھر کیا بتاؤں کہ وہ کدھر گیا۔"

اب تو وہ شخص حکیم صاحب سے لپٹ گیا۔ پکارا "لوگو! انصاف کرو نہیں تو میں اس بڈھے کو بادشاہ کے پاس لے جاؤں گا۔" اس کی پکار پر قافلے والے متوجہ ہو گئے۔ حال پوچھا۔ اونٹ والے نے بتایا کہ یہ بوڑھا شخص میرے اونٹ کی ساری پہچانیں بتاتا ہے لیکن پھر کہتا ہے کہ میں نے نہیں دیکھا۔ تو بھائیو! جب اس نے دیکھا ہی نہیں تو پہچان ٹھیک ٹھیک کیسے بتاتا ہے۔ غیب کا علم صرف خدا کو ہے اس نے ضرور میرا اونٹ دیکھا ہے میں اسے اپنے بادشاہ کے پاس ضرور لے جاؤں گا۔"

یہ سُن کر قافلے والوں نے دانا حکیم سے کہا "بڑے میاں! اس بیچارے کو کیوں

پریشان کرتے ہو تم نے ضرور دیکھا ہے تب ہی تو پہچانیں بتا رہے ہو۔ مذاق ہو چکا۔ اب بتا بھی دو کہ اس کا اونٹ تم نے کہاں دیکھا اور وہ کدھر گیا؟

حکیم صاحب نے خدا کی قسم کھا کر کہا کہ میں نے اس کا اونٹ نہیں دیکھا۔ میں نہیں جانتا کہ اس کا اونٹ کہاں ہے؟

قافلے والے تو کچھ سوچ کر چپ ہو گئے۔ ان کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ آگے جو شہر پڑے گا۔ وہاں بادشاہ موجود ہے اور وہ شہر راجدھانی ہے۔ وہ سب اپنے اپنے سامان کو سنبھالنے لگے۔ اونٹ والے نے حکیم صاحب کو نہ چھوڑا۔ وہ ساتھ ساتھ رہا۔ جب قافلہ شہر میں داخل ہوا تو اس آدمی نے بادشاہ کی دہائی دے کر چیخ ماری۔ جھٹ پولیس کے لوگ آ گئے۔ حال پوچھا اور دونوں کو پکڑ کر بادشاہ کے سامنے لے گئے۔ ساتھ میں قافلے کے کچھ لوگ بھی گئے کہ دیکھیں یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے یعنی اس مقدمے میں کیا ہوتا ہے؟

جس وقت یہ سب بادشاہ کے دربار میں پہنچے اس وقت وہاں ایک اور مقدمہ پیش تھا۔ مقدمہ یہ تھا کہ ایک شخص مر گیا تھا۔ اس نے اپنے گھر میں دوسری جائداد کے علاوہ ۱۹ گھوڑے بھی چھوڑے تھے اور گھر میں ایک بھائی، ایک بیوی اور ایک بیٹا چھوڑا۔ مرتے وقت اس نے کہا کہ میری کل جائداد کا آدھا حصہ میرے بھائی کو دیا جائے چوتھائی حصہ بیوی کو اور پانچواں حصہ بیٹے کو دیا جائے۔ اس کے مرنے کے بعد اور جائداد تو سب نے اسی حساب سے بانٹ لی لیکن گھوڑوں کے بٹوارے میں پریشانی ہوئی۔ لوگوں نے رائے دی کہ ۱۹ گھوڑوں کو آدھا، چوتھائی اور پانچواں حصہ کرنا ممکن نہیں ہے۔ زیادہ اچھا یہ ہے کہ گھوڑوں کو بیچ ڈالو اور رقم آپس میں بانٹ لو۔ یہ بات کسی نے نہیں مانی کیونکہ وہ گھوڑے انھیں بہت پسند تھے۔ وہ اپنا مقدمہ بادشاہ کے پاس لے گئے۔ بادشاہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ گھوڑے کس طرح تقسیم کرے جب کہ ہر

ایک کو تقسیم کے مطابق حصہ دینے میں ایک گھوڑا کاٹنا پڑتا تھا۔ جو لوگ دربار میں بیٹھے ہوئے تھے وہ بھی سوچ رہے تھے لیکن بات وہی تھی کہ کاٹے بغیر گھوڑے بٹ نہیں سکتے تھے۔

دربار میں پہنچ کر حکیم صاحب کو گھوڑوں کی تقسیم کی پریشانی کا حال معلوم ہوا تو انھوں نے بادشاہ سے کہا " اگر آپ ایک گھوڑا اپنے اصطبل سے منگا دیں تو میں ان سب کو راضی کر دوں گا۔ سب کو گھوڑوں کو کاٹے بغیر ان کے حصّے سے زیادہ مل جائے گا۔ اور آپ کو آپ کا گھوڑا واپس کر دوں گا۔"

" اس سے اچھی کیا بات ہے۔" بادشاہ نے کہا پھر اصطبل سے ایک گھوڑا منگوایا کل گھوڑے بیس ہو گئے تو اب دانا حکیم نے اس طرح بانٹا۔ ۲۰ کے آدھے ۱۰ گھوڑے تو مرنے والے کے بھائی کو ملے۔ بیس کے چوتھائی یعنی ۵ گھوڑے بیوہ کو ملے اور بیس کا پانچواں حصہ یعنی ۴ گھوڑے بیٹے کو ملے۔ اس طرح گھوڑے تقسیم ہو گئے تو لوگوں نے حساب لگا کر دیکھا تو سچ مچ سب کو ان کے حصوں سے زیادہ ملا تھا۔ پھر بھی ایک گھوڑا بچ گیا کیونکہ دس پانچ اور چار مل کر انیس ہی ہوتے ہیں۔ بیسواں گھوڑا حکیم صاحب نے اصطبل بھجوا دیا۔"

"واہ واہ، سبحان اللہ!" دربار کے سارے لوگ تعریف کرنے لگے۔ بادشاہ بھی بہت خوش ہوا۔ مرنے والے کے گھر والے بھی خوش خوش واپس ہو گئے۔ بادشاہ نے حکیم صاحب کو انعام دینا چاہا لیکن اس سے پہلے اونٹ والے نے اپنا مقدمہ پیش کیا تو سارے ہی لوگ حیران رہ گئے کہ اتنا سمجھ دار بوڑھا اور ناحق اس بے چارے کو پریشان کر رہا ہے۔ بادشاہ نے بھی کہا کہ جب تم نے اونٹ دیکھا نہیں تو پہچان کیسے بتا رہے ہو۔ اس میں کیا بھید ہے۔ بیان کرو۔ اگر تم نے ٹھیک بات بتا دی تو میں تم کو خوش کر دوں گا کیونکہ تم مجھے بہت ہی سمجھدار معلوم ہوتے ہو۔

حکیم صاحب مُسکرائے پھر اس طرح بتانا شروع کیا۔

"میں نے راستہ چلتے چلتے دیکھا کہ صرف ایک ہی طرف گھاس چری ہوئی ہے۔ اس سے میں نے جانا کہ اونٹ کانا ہے وہ ایک ہی طرف دیکھ سکا اور اسی طرف چرتا چلا گیا۔ پھر میں نے دیکھا کہ اونٹ کی مینگنیاں بکھری ہوئی نہیں ہیں بلکہ ایک جگہ ملی پڑی ہیں۔ اس سے میں یہ سمجھا کہ اس کی دُم کٹی ہے۔ دُم ہوتی تو وہ دُم ہلا کر مینگنیاں بکھیر جاتا پھر میں نے دیکھا کہ اونٹ کے پاؤں کے نشانوں کے ساتھ ساتھ ایک پاؤں کے گھسٹنے کا نشان ہے اس سے میں نے سمجھ لیا کہ اونٹ لنگڑا بھی ہے۔ پھر میں نے دیکھا کہ اونٹ نے خراب گھاس بھی کھائی ہے۔ اس سے میں یہ سمجھا کہ وہ بدکا ہوا ہے۔ اگر بدکا نہ ہوتا تو اطمینان سے اچھی اچھی گھاس کھاتا۔ یہ سب میں نے اپنی سمجھ سے جانا ورنہ سچی بات یہی ہے کہ اونٹ میں نے نہیں دیکھا۔

یہ کہہ کر حکیم صاحب چُپ ہو گئے۔ سارے لوگ مُسکرائے۔ سب کو مزہ آگیا۔ بادشاہ بھی بہت خوش ہوا۔ اس نے اونٹ والے کو اپنے پاس سے ایک عمدہ سا اونٹ دلا دیا اس کے بعد دانا حکیم کو اپنا وزیر بنا لیا۔

سگا بھائی منگیتر

حکیم صاحب بادشاہ کے دربار میں بہت دن رہے انھوں نے رعایا کی بھلائی کے بڑے بڑے کام کیے لیکن ان کو ایسا محسوس ہوتا رہا کہ دربار میں رہ کر ہر وقت بادشاہ کے حکموں کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ درباری لباس میں جانا پڑتا ہے۔ ہر وقت کوئی نہ کوئی جھگڑا سامنے رہتا ہے۔ کبھی کوئی مقدمہ ہے کبھی کوئی ملکی معاملہ ہے، کبھی کسی دشمن سے لڑائی ہو رہی ہے، کبھی خزانے کی دیکھ بھال ہے اور اسی طرح کے بیسیوں معاملے

ہیں۔ حکیم صاحب کو یہ کھکھیڑ کب پسند آتی۔ وہ آزاد زندگی گزارنا پسند کرتے تھے۔ غریبوں میں رہنا سہنا انھیں اس لیے پسند تھا کہ غریبوں میں رہ کر اللہ کی یاد بنی رہتی ہے اور اس سے بڑی بات یہ بھی کہ حضورؐ نے اللہ سے دعا فرمائی تھی کہ اے اللہ! مجھے قیامت میں غریبوں کے ساتھ اُٹھانا۔ بس جب سے یہ حدیث سامنے آئی تھی۔ حکیم صاحب امیروں، نوابوں اور بادشاہوں کے پاس اُٹھنے بیٹھنے اور رہنے سہنے سے گھبرایا کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ حکیم صاحب نے تھوڑے ہی دنوں کے بعد اپنا استعفا پیش کر دیا لیکن بادشاہ نے استعفا منظور نہیں کیا۔ اب حکیم صاحب نے سوچا کہ کیا کرنا چاہیے۔ وہ سوچتے رہے، سوچتے رہے اور آخر ایک دن جب بادشاہ دربار میں پہنچا تو دیکھا کہ حکیم صاحب نہیں ہیں۔ معلوم ہوا کہ حکیم صاحب رات ہی سے غائب ہیں۔ کہاں گئے یہ بات کوئی نہ بتا سکا۔ بادشاہ کو بڑا افسوس ہوا اس نے حکم دیا کہ حکیم صاحب کو تلاش کیا جائے۔

اب سُنیے کہ حکیم صاحب راتوں رات کہاں جاکر چھپے۔ وہ ایک یتیم لڑکی کے گھر گئے۔ وہ بے چاری شہر کے کنارے ایک جھونپڑے میں رہتی تھی۔ اس کے والدین مر چکے تھے۔ حکیم صاحب نے بتایا کہ بیٹی! میں مسافر ہوں۔ مجھے اپنے گھر میں رہنے کی اجازت دو۔" لڑکی نے بڑی خوشی سے اپنے جھونپڑے میں جگہ دے دی۔ لڑکی کچھ تھی بھی نرم دل اور پھر اسے یہ بھی ضرورت تھی کہ کوئی اُس کے ساتھ رہے وہ اکیلی رہتے ہوئے گھبرا بھی رہی تھی۔

لڑکی ان دنوں بہت پریشان تھی۔ ایک دن وہ روتی ہوئی جھونپڑے میں آئی۔ حکیم صاحب نے پوچھا "بیٹی! تم کیوں روتی ہو؟" اس نے بتایا کہ میرے ماں باپ کا انتقال ہوگیا۔ میرے باپ نے مرتے وقت ہزاروں کی جائداد چھوڑی۔ میرے بھائیوں نے جائداد میں سے میرا حصّہ مجھ کو نہیں دیا۔ جب بار بار مانگا تو مجھے گھر سے

نکال دیا۔ میں نے قاضی کی عدالت میں اپنے حصّے کے لیے دعویٰ کر دیا۔ آج قاضی نے میرا دعویٰ خارج کر دیا۔"

"کیوں؟" حکیم صاحب نے پوچھا۔ لڑکی نے بتایا کہ میرے بھائیوں نے محلّے کے بڑے بوڑھوں سے گواہی دلوا دی کہ ان کے ماں باپ کی کوئی لڑکی ہی نہ تھی۔ پھر لڑکی کا حصّہ ہی کیسا؟"

"اچھا یہ بات ہے۔ بیٹی! تم رنج نہ کرو۔ میں تم کو تمھارا حصّہ دلاؤں گا۔"

دانا حکیم نے اس طرح کہا تو لڑکی تعجب کے ساتھ ان کا چہرہ تکنے لگی۔ اس نے سوچا کہ جو اس کے گھر کئی دن سے مہمان ہے شاید وہ کوئی بڑا آدمی ہے اور کسی وجہ سے یہاں آ کر رہ رہا ہے اس نے پوچھا۔

"آپ کون ہیں اور میرا حق مجھے کس طرح دلائیں گے؟"

"میں کوئی بھی ہوں۔ اس سے تم کو کیا مطلب۔ تم کو تو بس باپ کی جائداد میں سے حق ملنا چاہیے۔ تم کو آم کھانے سے غرض۔ آم گن کر کیا کرو گی؟"

لڑکی یہ کہاوت سُن کر ہنس پڑی پھر پوچھا "تو میں کیا کروں؟" حکیم صاحب نے اس کے کان میں کچھ کہا تو لڑکی خوش ہو گئی۔ اسی وقت بادشاہ کے دربار میں پہنچی اور ایک عرضی دی۔ عرضی میں اس نے لکھا کہ جب میرے ماں باپ زندہ تھے تو میری منگنی محلّے کے دو بھائیوں میں سے بڑے کے ساتھ ہو گئی تھی لیکن میرے ماں باپ مر گئے۔ میں غریب ہو گئی تو میرے منگیتر نے منگنی توڑ دی اور شادی سے انکار کر دیا لیکن انھوں نے عدالت میں منگنی توڑنے کی وجہ یہ بتائی کہ اس لڑکی کا چال چلن خراب ہے۔ یہ مجھ پر الزام لگایا ہے۔ اب میں فریاد لے کر آئی ہوں کہ میرے ساتھ انصاف کیا جائے۔ نہیں تو مجھ پر یہ الزام رہے گا تو کوئی میرے ساتھ شادی نہ کرے گا۔"

یہ عرضی پڑھ کر بادشاہ نے منگیتر کا نام پوچھا۔ لڑکی نے نام اور پتہ بتا دیا۔ بادشاہ

نے اسی وقت منگیتر کو دربار میں آنے کا حکم دیا۔ سپاہی دوڑے ہوئے گئے اور منگیتر کو بلا لائے۔ بادشاہ نے منگیتر سے کہا کہ تم نے اس لڑکی پر الزام لگایا ہے کہ اس کا چال چلن خراب ہے اسی وجہ سے تم نے اس سے شادی کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ تم ثبوت پیش کرو، نہیں تو تم کو سزا دی جائے گی۔"

"حضور! میں اس کا منگیتر کیسے ہو سکتا ہوں جب کہ یہ میری سگی بہن ہے۔ سگی بہن سے کوئی شادی کیسے کر سکتا ہے۔"

یہ سُن کر بادشاہ کو بڑا تعجب ہوا اس نے لڑکی کو ڈانٹا کہ تو نے جھوٹی عرضی کیوں دی؟"

لڑکی نے کہا کہ حضور! اس سے ثبوت تو مانگیے" بادشاہ نے لڑکے سے ثبوت مانگا تو لڑکا محلّے کے بڑے بوڑھوں کو بلا لایا۔ انھوں نے لڑکی کو پہچان کر کہا کہ ہاں، یہ تو سگی بہن ہی ہے۔

اب تو بادشاہ نے لڑکی کو بہت ڈانٹا۔ وہ حکم دینے والا ہی تھا کہ لڑکی کے کوڑے مارے جائیں کہ لڑکی خوش ہو کر ہنس پڑی اور اس نے کہا کہ میں نے مقدمہ جیت لیا۔ بادشاہ نے یہ سُنا تو اسے بڑا تعجب ہوا۔ اس نے پوچھا "کیا بات ہے؟" اب لڑکی نے ساری آپ بیتی سنائی اور کہا کہ انہی لوگوں نے میرے بھائیوں کے کہنے سے قاضی صاحب کی عدالت میں جھوٹی گواہی دی کہ یہ لڑکی ان کی بہن نہیں ہے تو میں نے اس ترکیب سے ان سے اقبال کرا لیا۔ اب میرا حق دلوائیے۔

بادشاہ ساری کہانی اور مقدمے کا حال سُن کر خوب ہنسا اس نے قاضی صاحب کو طلب کیا۔ قاضی صاحب نے آ کر ان کا مقدمہ گواہیاں اور اپنا فیصلہ سُنایا تو بادشاہ نے لڑکی کے دونوں بھائیوں اور گواہوں گواہوں کو جیل بھیجدیا اور لڑکی کو اس کے باپ کی جائداد میں سے حصہ دلوایا اور بہت کچھ اپنے پاس سے انعام دیا۔

اس کے بعد لڑکی سے کہا " اے لڑکی! تیری عمر تو ابھی بہت کم ہے لیکن تو نے سمجھداری سے کام لیا جیسے معلوم ہوتا ہے کہ تو کوئی بڑی "افلاطون" ہے ۔ سچ بتا تجھ کو یہ تدبیر کس نے بتائی ہے؟۔

لڑکی نے عرض کیا کہ حضور! میرے جھونپڑے میں ایک مسافر آکر رہا ہے۔ اسی نے مجھے یہ ترکیب بتائی ۔ وہ کوئی بہت بڑا سمجھدار آدمی معلوم ہوتا ہے۔ میں نے اس کا نام پوچھا مگر اس نے نام نہیں بتایا۔

بادشاہ سُن کر مسکرایا۔ لڑکی کو وہیں روک لیا اور سپاہیوں کو بھیجا کہ جاکر اس لڑکی کے مہمان کو پکڑ لاؤ مگر دیکھو بڑی عزت سے لانا۔ ہو نہ ہو وہ ہمارے دانا حکیم ہی ہیں۔

تھوڑی ہی دیر میں حکیم صاحب شاہی سواری پر دربار میں لائے گئے ۔بادشاہ خود اُٹھا اور بڑھ کر ان کو سواری سے اُتارا ۔ دربار میں لایا اور اپنے برابر کرسی پر بٹھایا۔ پھر بولا " کہیے حکیم صاحب اب کیا کہتے ہیں آپ؟ " پھر یہ شعر پڑھا۔

نگاہیں کاملوں پر پڑ ہی جاتی ہیں زمانے کی
کہیں چھپتا ہے اکبر پھول پتوں میں نہاں ہو کر

حکیم صاحب! آپ تو پھول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اندر وہ خوشبو رکھی ہے کہ آپ چھپنا چاہیں تو چھپ نہیں سکتے!"

حکیم صاحب یہ سُن کر مسکرائے اور وزیر بننا منظور کر لیا لیکن وہ تھوڑے ہی دنوں وزیر رہے پھر کسی بہانے سے اپنے گھر گئے اور کہیں چھپ گئے۔ پھر کیسے پہچانے گئے؟ یہ بھی بڑی مزے دار کہانی ہے۔

کھانا

سب سے اچھا اور سب سے بُرا

"کون ہو؟"

"مسافر ہوں"

"کیا چاہتے ہو؟"

"چاہتا ہوں کہ کوئی کام مل جائے اور میں حلال روزی کما سکوں۔"

"میں باورچی ہوں۔ میرے ساتھ کام کرو گے؟"

"ضرور۔"

"کیا لو گے ہر روز؟"

"بس دو وقت کھانا اور کچھ روپیے کہ کپڑا بنا سکوں۔"

"اچھا تو آج میرے گھر پر رہو۔ کل سے میرے ساتھ چلنا۔"

اس بات چیت کے بعد مسافر باورچی کے گھر رات بھر رہا۔ صبح اس کے ساتھ ہولیا۔ دراصل باورچی نواب صاحب کے یہاں نوکر تھا۔ وہ اُسے نواب کے باورچی خانے میں لے گیا اور کہا کہ برتن دھو ڈالو۔

مسافر نے برتن دھوئے۔ صاف کر کے قاعدے سے رکھ دیے۔ اس کے بعد باورچی نے کہا "اچھا اب آٹا گوندھ ڈالو۔ مسافر آٹا گوندھنے لگا۔ اس نے آٹا گوندھ کر رکھ دیا۔ باورچی نے آکر دیکھا۔ کہا ٹھیک ہے۔ اب یہ آٹا روٹیاں پکانے کے لائق ہو گیا۔

"اب بھی نہ ٹھیک ہوگا۔ میں نے دونوں ہاتھوں سے مُکّے لگائے ہیں۔"

مسافر نے کہا۔ باورچی کچھ نہ سمجھا۔ بولا "آٹے کو گوندھا ہی اسی طرح جاتا ہے۔"

"میرا مطلب یہ ہے۔" مسافر بتانے لگا کہ "دنیا میں جس پر خوب چوٹیں پڑتی ہیں وہی ٹھیک ہو جاتا ہے۔" نواب کا باورچی یہ سُنکر ہنسنے لگا۔ دل میں کہا یہ ہے تو مسافر بالکل مزدور قسم کا آدمی مگر دلچسپ بھی ہے۔

باورچی بار بار مسافر کی بات یاد کرتا۔ وہ سوچتا اور مُسکراتا۔ کھانا پکا کر جب نواب صاحب کے سامنے لے گیا تو وہاں بھی اُسے وہی بات یاد آرہی تھی۔ "دنیا میں جس پر خوب چوٹیں پڑتی ہیں۔ وہی ٹھیک ہو جاتا ہے۔" باورچی مُسکرانے لگا۔ نواب صاحب نے مُسکراتے دیکھا تو پوچھا کیا بات ہے؟ کیوں مُسکرا رہے ہو؟" باورچی نے اس مسافر کے بارے میں بتایا کہ بڑا سمجھدار معلوم ہوتا ہے۔ ایسی بات کہی اس نے۔

نواب صاحب بھی سُن کر بہت خوش ہوئے۔ مسافر کو بلا کر اس سے باتیں کیں اور اس کی تنخواہ مقرر کر دی۔ مسافر ہنسی خوشی باورچی کے ساتھ رہنے لگا۔

اب دیکھیے۔ ایک دن اس ملک کا بادشاہ اس طرف شکار کھیلنے آیا۔ نواب صاحب نے سُنا تو اس کے استقبال کو بڑھے۔ اسے جنگل میں شکار کھلایا پھر اپنے محل میں لائے اور اس کی خاطر مدارات شروع کر دی۔ باورچی کو بلا کر حکم دیا کہ آج سب سے اچھی چیز پکا کر لاؤ۔

بہت اچھا حضور۔" کہہ کر باورچی باورچی خانے میں گیا۔ مسافر سے کہا کہ آج سب سے اچھی چیز پکانی ہے۔

" وہ کیا چیز ہو سکتی ہے؟ مسافر نے پوچھا۔ باورچی نے بتایا۔ "میرا ارادہ ہے کہ آج میں ایک ایسی بھینی روٹی پکاؤں جس میں پانچ سیر گھی جذب کر دوں۔ جذب کرنے کے معنیٰ تم سمجھے! یعنی وہ سارا گھی ایک بھینی روٹی میں سما جائے اور جیسے ہی اس روٹی کا نوالہ منہ میں رکھا جائے، معلوم ہو کہ جیسے پسے ہوئے میوؤں کی روٹی کھائی جا رہی

ہے۔"

"ہاں، یہ ہوگی تو عجیب چیز مگر میں اس سے بھی اچھی بلکہ سب سے اچھی چیز بتاؤں" مسافر نے کہا۔

"وہ کیا؟"

"تم زبان اور دل پکا کرلے جاؤ۔"

"یہ کوئی اچھی چیز نہیں۔ تم بھی خوب ہو کبھی تو ایسی سمجھداری کی بات کہتے ہو کہ جو سُنے وہ تعریف کرے اور آج تم یہ کیا بات کہہ رہے ہو، کیا نواب سے پٹوانا چاہتے ہو"

"تم پکاؤ تو۔ اگر نواب صاحب خفا ہوں تو مجھے پیش کر دینا دیکھو تو میں تم کو انعام دلا کر رہوں گا۔

مسافر کی سمجھداری پر پورا بھروسہ تھا۔ وہ بازار گیا۔ کچھ بکریوں کی زبانیں اور دل خرید لایا۔ پکایا اور نواب صاحب اور بادشاہ کے سامنے پیش کر دیا۔ زبانیں اور دل دیکھ کر نواب دل ہی دل میں بہت خفا ہوا۔

بادشاہ کو بھی بڑا تعجب ہوا کہ شاہی کھانے میں نہ زردہ نہ پلاؤ نہ قورمہ نہ متنجن نہ شاہی ٹکڑے نہ شامی کباب، نہ شاہ پسند حلوہ لیکن وہ بادشاہ تھا مسلمان۔ جو سامنے آیا۔ شوق سے کھالیا۔ اللہ کا شکر ادا کیا اور کھانے کی تعریف بھی کی۔ آپ سمجھے کیوں؟ کیونکہ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ کے دیے ہوئے رزق کو بُرا نہ کہو۔

کھانا کھانے کے بعد نواب صاحب باورچی خانے کی طرف گئے اور باورچی کو خوب ڈانٹا اور غصّے میں کہا "اچھا کل سب سے بُری چیز پکانا۔"

یہ حکم دے کر نواب صاحب بادشاہ کی خاطرداری میں لگ گئے۔ ادھر باورچی نے مسافر سے سارا حال کہا اور کہا کہ میں تمھارے کہنے میں آگیا۔ اب میری خیر نہیں۔ اب بتاؤ۔ نواب صاحب نے حکم دیا ہے کہ سب سے زیادہ بری چیز پکا کر لاؤ۔ بتاؤ

کیا پکاؤں؟"

"وہی جو کل پکایا تھا۔"

"یعنی زبانیں اور دل۔"

"جی ہاں!"

"تو تمھارا مطلب یہ ہے کہ آج نواب صاحب مجھے بادشاہ کے سامنے ہی قتل کر دے۔"

"نہیں، آج تم کو ضرور انعام ملے گا۔"

"نہیں بھائی، میری توبہ! میں بادشاہ کو اس بات کا جواب کیا دوں گا۔ کہ وہی چیز سب سے بُری اور وہی چیز سب سے اچھی؟"

"میں بتاتا ہوں لیکن تمھارے کان میں بتاؤں گا۔ کوئی اور نہ سُنے۔" یہ کہہ کر مسافر نے باورچی کے کان میں کچھ کہا۔ باورچی سنکر مُسکرایا۔ "خوب ہے خوب ہے۔" اس کی زبان سے نکلا۔ پھر وہ زبانیں اور دل لے آیا اور پکاکر نواب صاحب اور بادشاہ کے سامنے پیش کیا۔ اب تو غصّے کے مارے نواب آپے سے باہر ہوگیا۔ اس کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ ڈانٹ کر بولا "نالائق! جب میں نے کہا کہ سب سے اچھی چیز پکا تو زبانیں اور دل پکا کر لایا اور جب کہا کہ سب سے بُری چیز پکا تو پھر دہی سامنے لایا۔ بول ایسا کیوں کیا؟ ورنہ تجھ کو ساری عمر کے لیے جیل بھیجدوں گا۔

باورچی نے نہایت ادب سے جواب دیا "حضور! خفا نہ ہوں۔ دل اور زبان ہی ایسی چیزیں ہیں کہ اگر دل میں اچھی باتیں سوچیں اور زبان سے وہی باتیں ادا کریں تو دل اور زبان سے بہتر کوئی چیز نہیں اور اگر دل میں بری باتیں سوچیں اور زبان سے بری باتیں بکیں تو اس سے زیادہ کوئی چیز بُری نہیں۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے بارے میں نصیحت فرمائی ہے کہ انھیں بُری باتوں سے

بچاؤ۔

باورچی نے یہ کہا تو نواب صاحب اور بادشاہ دونوں اس کی بات پر پھڑک اُٹھے۔ بادشاہ سوچنے لگا کہ یہ باورچی ایسی سمجھداری کی بات کیسے سوچ سکتا ہے۔ اس نے باورچی سے پوچھا "سچ بتاؤ، یہ بات تم نے خود سوچی یا تم کو کسی نے بتائی ہے؟" باورچی نے کہا "حضور! کچھ دن ہوئے ایک مسافر آیا۔ اس نے باورچی خانے میں نوکری کر لی۔ وہ ایسی سمجھداری کی باتیں کرتا ہے کہ کوئی سوچ نہیں سکتا۔ اسی کے کہنے سے میں نے دونوں دن یہ کھانا پیش کیا۔ اور اسی نے یہ حکمت کی بات بتائی۔"

"ہوں! اچھا آپ یہاں آکر چھپے ہیں!" بادشاہ کی زبان سے نکلا۔ وہ مسکرایا۔ نواب کو اب بادشاہ کی بات پر تعجب ہوا کہ اس نے یہ کیا کہا۔ آخر نواب صاحب نے بادشاہ سے پوچھ ہی لیا کہ "حضور! آپ نے یہ بات کس کے بارے میں کہی؟" بادشاہ نے بتایا کہ پہلے پہرہ لگا دو کہ تمھارے محل سے نکل کر کوئی باہر نہ جائے۔ اس کے بعد اس مسافر کو میرے سامنے لاؤ۔ میں سمجھ گیا۔ وہ کون ہے۔ اگر دیر کرو گے تو وہ مسافر بھاگ جائے گا۔ بلکہ چلو میں خود اس کے پاس چلتا ہوں۔

بادشاہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ نواب صاحب ساتھ ہو لئے۔ دونوں باورچی کے ساتھ باورچی خانے میں گئے۔ وہاں مسافر برتن دھو رہا تھا۔ جیسے ہی بادشاہ نے اسے دیکھا تو پکارا "حکیم صاحب!" "السلام علیکم" مسافر چونک پڑا۔ اس نے مڑ کر دیکھا۔ ادب سے کھڑا ہو گیا سلام کر کے مسکرایا۔

"اچھا جناب! یہاں آکر چھپے ہیں۔ اب چلیے میرے ساتھ۔ چل کر اپنے عہدے کا کام سنبھالیے۔ اور دیکھیے اب نہ بھاگیے گا۔ آپ کہیں چھپ نہیں سکتے۔ یاد نہیں وہ کیا شعر ہے:

نگاہیں کاملوں پر پڑ ہی جاتی ہیں زمانے کی
کہیں چھپتا ہے اکبر پھول پتوں میں نہاں ہو کر

نواب صاحب یہ جان کر بہت حیران رہ گئے کہ جو سمجھدار مسافران کے باورچی خانے کے برتن صاف کرتا تھا۔ وہ دانا حکیم ہے یعنی بادشاہ کا بڑا وزیر۔

اب حکیم صاحب کیا کرتے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ حکیم صاحب کے لیے وزیروں جیسے کپڑے تیار کر دیے جائیں۔ حکم کی دیر تھی کپڑے تیار ہوئے اور حکیم صاحب پھر وزیر اعظم بن کر بادشاہ کے ساتھ گئے۔ کام اپنے ہاتھ میں لیا۔ بگڑے کام بنائے۔ حکومت کا کام ٹھیک ٹھیک چلنے لگا۔ رعایا کو پھر امن اور چین ملا۔ اس طرح حکیم صاحب چھ مہینے بادشاہ کے یہاں رہے۔ چھ ماہ کے بعد بادشاہ شکار کھیلنے گیا۔ راجدھانی میں حکیم صاحب کو چھوڑ گیا۔ یہاں حکیم صاحب نے ایک درخواست لکھ کر چھوٹے وزیر کو دی اور کہا جب بادشاہ آئے تو اُسے دیدے اور راج دھانی سے گھر جانے کے بہانے چل دیے اور پھر روپوش ہو گئے۔ یعنی کسی جگہ چُھپ گئے تاکہ بادشاہ نہ پا سکے۔

امانت دار مالی

بادشاہ شکار سے واپس آیا۔ چھوٹے وزیر نے دانا حکیم کی درخواست پیش کی۔ بادشاہ نے درخواست پڑھی سمجھ گیا کہ حکیم صاحب اس بہانے سے نکل گئے۔ جھٹ اس نے چاروں طرف ہرکارے دوڑا دیے کہ حکیم صاحب کو ڈھونڈ کر لائیں اور اپنی سلطنت کے صوبیدار کے پاس حکم بھیجا کہ اگر حکیم صاحب ان کے علاقے میں پہنچیں تو فوراً ان کو راجدھانی بھیجدیا جائے۔

بادشاہ نے اس طرح کا انتظام کر دیا۔ ہرکاروں نے چاروں طرف ڈھونڈھا۔ حکیم صاحب نہ ملے۔ صوبیداروں نے بھی لکھا کہ حکیم صاحب کو بہت تلاش کیا گیا مگر ابھی تک وہ نہ مل سکے۔ بادشاہ کو حکیم صاحب کے چلے جانے کا

افسوس تو تھا ہی اب ان کے نہ ملنے سے وہ اداس رہنے لگا۔ اس طرح کئی مہینے گذر گئے تو وہ خود حکیم صاحب کو ڈھونڈھنے نکلا۔ لاؤ لشکر ساتھ تھا۔ مشہور یہ کر دیا کہ بادشاہ شکار کو جا رہا ہے۔

بادشاہ اِدھر اُدھر چڑیوں اور چھوٹے چھوٹے جانوروں کا شکار کرتا ہوا جہاں جاتا حکیم صاحب کی کھوج لگاتا۔ جہاں شام ہوتی وہیں ٹھہر جاتا۔ کبھی کسی صوبیدار کے یہاں مہمان بنتا کبھی کسی جنگل میں ڈیرہ ڈال دیتا۔

اس طرح وہ ایک ندی کے کنارے پہنچا۔ ندی کے کنارے ایک باغ دیکھا باغ سیب کے درختوں کا تھا۔ درختوں میں بہت سے کچّے پکّے پھل لگے تھے۔ کچھ ہرے تھے، کچھ سُرخی لیے ہوئے پیلے پیلے۔ ان پھلوں کے بوجھ سے درختوں کی ٹہنیاں جھکی پڑ رہی تھیں۔ بادشاہ کو وہ باغ بہت اچھا لگا۔ اس نے سوچا کہ دوپہر کا وقت ہے۔ گرمی زیادہ بڑھ گئی ہے۔ کیا اچھا ہو کہ دوپہر کا وقت اسی باغ میں گذارا جائے۔

بادشاہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اتنے میں باغ والا دوڑتا ہوا آیا۔ اس نے آکر بادشاہ کو سلام کیا اور کہا:-

"یہ میری خوش قسمتی ہے کہ حضور اس طرف تشریف لائے۔ اب میری آپ سے درخواست ہے کہ باغ میں چل کر میری عزت بڑھائیں۔"

بادشاہ تو یہ چاہتا ہی تھا۔ اس نے لشکر کو ندی کے کنارے ٹھہرنے کا حکم دیا اور خود کچھ درباریوں کے ساتھ باغ کے اندر گیا۔ باغ کے بیچوں بیچ بارہ دری بنی تھی۔ باغ والے نے اسی میں بادشاہ کو ٹھہرایا۔

پھر بارہ دری سے باہر آکر مالی کو بلایا۔ اسے حکم دیا کہ اچھے اچھے پکّے پکّے، رنگ دار پھل توڑ کر لائے۔ مالی باغ میں گُھسا۔ بہت سے پھل توڑ لایا۔ باغ والے

کو دیا۔ باغ والا وہ پھل لیکر بارہ دری میں گیا۔ بادشاہ کے سامنے پیش کیا۔ کاٹ کاٹ کر کھلانے لگا۔ لیکن جب بادشاہ اور اس کے درباریوں نے سیب کی قاش منہ میں رکھی تو سب نے منہ بنایا۔ باغ والا سمجھ گیا کہ سیب کھٹے لائے گئے۔ اس نے ایک قاش خود کھائی۔ اسے بھی کھٹا اس معلوم ہوئی۔ اس نے دوسرے پھل کاٹے۔ وہ سب کھٹّے نکلے۔ اب تو باغ والے کو غصّہ آگیا۔ وہ بارہ دری سے باہر آیا۔ مالی کو پاس بلایا۔ غصّے میں اسے خوب ڈانٹا۔ کہنے لگا۔ "یہ کیسے پھل لایا۔ سب کے سب کھٹّے نکلے۔" مالی نے جواب دیا "جناب میں تو بڑے خوبصورت اور اچھے دیکھ کر لایا تھا۔ اب پھلوں کے اندر کا حال تو خدا ہی جاننے والا ہے کہ کون سا کھٹّا ہے، کون سا میٹھا۔"

"ارے بدّھو کہیں کے، چھ مہینے سے تو میرے باغ کی رکھوالی کر رہا ہے اور آج تک تجھے یہی تمیز نہیں آئی کہ کس پیڑ کے پھل میٹھے ہیں اور کس پیڑ کے کھٹّے؟"

باغ والا مالی کو ڈانٹ رہا تھا اور وہ بے چارہ چپکا کھڑا تھا۔ آخر باغ والے نے اس سے کہا "ارے نالائق کچھ جواب کیوں نہیں دیتا۔ بولتا کیوں نہیں۔"

"کیا بولوں صاحب! یہ تو آپ ٹھیک فرماتے ہیں کہ مجھے کھٹّے میٹھے پھلوں کی پہچان نہیں ہے۔"

"کیوں نہیں ہے؟ یہی تو میں پوچھتا ہوں؟ آج تو نے میری ناک کٹوادی۔"

"تو میں کیا کروں جناب! آپ نے مجھے باغ کی رکھوالی کے لیے رکھا ہے نہ کہ پھل کھانے کے لیے۔" مالی کا یہ جواب سُن کر باغ والا دنگ رہ گیا۔

"تو کیا تو نے چھ مہینے میں ایک پھل بھی نہیں کھایا؟"

"نہیں صاحب! میں بے پوچھے کیسے کھا سکتا تھا؟"

باغ والا مالی کی امانت داری پر ہکّا بکّا کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔ اُدھر بادشاہ نے

دیکھا کہ بارہ دری کے باہر وہ کسی کو ڈانٹ رہا ہے تو کھڑکی سے جھانک کر دیکھنے لگا۔ اس نے دونوں کی باتیں بھی سُنیں۔ مالی کی باتیں سنکر بادشاہ ایک دم اُٹھ کھڑا ہوا۔ جلدی جلدی بارہ دری کے باہر گیا۔ مالی کے پاس پہنچا۔ "کیوں مالی! سچ کہنا تم ہمارے دانا حکیم تو نہیں؟" اور یہ کہہ کر بادشاہ نے گلے لگا لیا۔ "اچھا تو اب چلیے اور اب نہ بھاگیے گا۔ آپ کو یاد نہیں کہ میں نے کیا شعر پڑھا تھا :؎

نگاہیں کاملوں پر پڑ ہی جاتی ہیں زمانے کی !
کہیں چھپتا ہے اکبؔر پھول پتوں میں نہاں ہو کر

یہ سنکر مالی مسکرانے لگا۔ بادشاہ کو سلام کیا۔ بادشاہ نے باغ والے کو بہت سا انعام دیا۔ اس کے بعد دانا حکیم کو لے کر راجدھانی چلا گیا۔

ایک سیر گوشت کا لوتھڑا

حکیم صاحب بادشاہ کے ساتھ چلے تو گئے لیکن بات وہی ٹھیک تھی کہ بادشاہوں اور نوابوں کے درباروں میں رہنا ان کو پسند نہ تھا۔ وہ ہر وقت اسی فکر میں رہتے کہ کب موقع ملے اور دربار سے کھسک جائیں۔ وہ تین چار مہینے راجدھانی میں رہے اس کے بعد انھیں موقع مل ہی گیا اور وہ بھاگ نکلے اور کہیں چھپ گئے۔ بادشاہ کو معلوم ہوا تو اس نے ہرکارے دوڑا دیے اور خود بھی کھوج میں رہنے لگا۔ اس نے چاروں طرف اپنے جاسوس پھیلا دیے۔

اب سُنیے، ایک دن بادشاہ کے سامنے ایک انوکھا مقدمہ پیش ہوا۔ یہ مقدمہ ایک یہودی نے دائر کیا۔ اس نے اپنے بیان میں کہا کہ اسلم نامی ایک مسلمان نے اس سے ایک ہزار روپیہ قرض لیے تھے۔ شرط یہ تھی کہ تین مہینے میں دے دے گا

اور اگر نہ دے سکے گا تو یہودی اس کے بدن سے ایک سیر گوشت کا لوتھڑا کاٹ لے گا۔ تین مہینے پورے ہو گئے لیکن اسلم نے قرض ادا نہیں کیا تو اب میں ایک سیر گوشت کا لوتھڑا کاٹوں گا۔ اسلم تیار نہیں ہوتا۔ اس لئے انصاف فرمایا جائے۔

ایسا مقدمہ بادشاہ کے سامنے کبھی نہیں آیا تھا۔ پھر ایک سیر گوشت کا لوتھڑا کاٹنے کی شرط کو وہ غلط سمجھتا تھا۔ اس نے یہودی سے کہا کہ شرط ظالمانہ ہے اس لیے وہ یہ شرط ہٹا دے اور دوسری سزا بتائے لیکن یہودی کسی طرح راضی نہیں ہوا۔ اس نے کہا "میں تو شرط کے مطابق اسلم کے بدن سے ایک سیر گوشت کا لوتھڑا کاٹوں گا۔"

بادشاہ یہودی کی شرط سے بہت ہی سوچ میں پڑ گیا۔ یہودی سے کہا کہ "اچھا تین دن کے بعد فیصلہ سنایا جائے گا۔"

فیصلے کے لیے تاریخ بڑھا دی گئی اور بادشاہ نے اعلان کرا دیا کہ جو کوئی تین دن کے اندر اس مقدمے کے بارے میں سب سے اچھی رائے دے گا اُسے ایک ہزار اشرفیاں انعام دی جائیں گی۔

انعامی اعلان سُنکر ہر ایک اچھے سے اچھا مشورہ بادشاہ کو دینے لگا۔ لیکن بادشاہ کو کسی کا مشورہ پسند نہ آیا۔ ایک دن ہوا، دو دن بیتے، تیسرا دن بھی ختم ہونے کو تھا۔ اب بادشاہ کی بے چینی بڑھ گئی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اللہ کے کسی بندے کے جسم سے گوشت کاٹا جائے لیکن وہ یہودی کو بھی راضی کرنا چاہتا تھا اس لیے وہ کوئی ایسا فیصلہ چاہتا تھا کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے یعنی کوئی ایسا فیصلہ ہو کہ یہودی راضی ہو جائے۔ اس وقت بادشاہ کو دانا حکیم بہت یاد آرہے تھے۔ بادشاہ کو یقین تھا کہ اگر حکیم صاحب ہوتے تو وہ ضرور ایسی تدبیر بتاتے کہ یہ الجھا ہوا معاملہ سُلجھ جاتا۔

اب دیکھیے، دربار کا وقت ختم ہو رہا تھا۔ یہودی دربار میں موجود تھا۔

اسلم بھی حاضر تھا۔ بادشاہ نے یہودی کو راضی کرنے کی بھرپور کوشش کی لیکن یہودی اب بھی نہ مانا۔

لیجیے دربار کا وقت بھی ختم ہو گیا اور بادشاہ نے یہودی کو حکم دیا کہ اگر تو نہیں مانتا تو کاٹ لے اس کے بدن سے ایک سیر گوشت۔

اِدھر بادشاہ نے یہ حکم دیا۔ اُدھر ایک گھسیارہ دوڑتا ہوا دربار میں آیا۔ اس نے بادشاہ کی خدمت میں ایک پرچہ پیش کیا۔ پرچہ پڑھ کر بادشاہ مسکرایا اس نے یہودی سے کہا۔ دیکھو، ایک سیر گوشت کے لوتھڑے کی شرط ہے۔ ایک سیر گوشت کاٹنا۔ اگر کم یا زیادہ کاٹا تو تمھاری گردن ماردی جائے گی۔

بادشاہ نے یہ کہا تو اب یہودی گھبرایا۔ چاہے جیسا تجربہ کار اور ہوشیار آدمی ہو۔ پورے ایک سیر کا لوتھڑا کاٹنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔۔۔ یہودی سوچ میں پڑ گیا۔ آخر اس نے چھری ہاتھ سے رکھ دی اور کہنے لگا کہ پورا ایک سیر گوشت نہیں کاٹا جا سکتا۔ بادشاہ نے یہ سُنا تو فیصلہ کیا کہ مسلمان یہودی کو تھوڑا تھوڑا کرکے قرض ادا کر دے۔ پھر حکم دیا کہ اس گھسیارے کو ایک ہزار اشرفیاں انعام دی جائیں۔ اسے نہلا دھلا کر اچھے کپڑے پہنائے جائیں اور وہ آج ہمارا مہمان رہے گا۔

لیجیے، گھسیارے کی خاطر ہونے لگی۔ کھانا کھاتے وقت بادشاہ نے گھسیارے کو اپنے پاس ہی بٹھایا۔ اس سے چپکے چپکے باتیں بھی کرتا رہا۔ باتیں کرکے بادشاہ سمجھ گیا کہ گھسیارہ بالکل بدّھو ہے۔ اس نے گھسیارے سے پوچھا:۔

"تم نے پرچے میں لکھی تدبیر اپنے من سے سوچی یا تم کو کسی نے بتائی؟"

"حضور! وہ تدبیر میری اپنی سوچی ہوئی نہیں تھی۔ مجھے تو ایک دوسرے گھسیارے نے بتائی تھی۔"

گھسیارے سے یہ سُنتے ہی بادشاہ نے دو گھوڑے منگوائے۔ ایک پر خود

بیٹھا۔ دوسرے پر گھسیارے کو بیٹھنے کا حکم دیا اور کہا کہ جلدی اس دوسرے گھسیارے کے پاس لے چل۔

حکم کی دیر تھی گھسیارہ گھوڑے پر سوار ہوا پھر دو گھوڑے سرپٹ ایک گاؤں کی طرف دوڑائے جا رہے تھے لیکن جیسے ہی گاؤں میں پہنچے اور دوسرے گھسیارے کے بارے میں پوچھا معلوم ہوا کہ وہ تو اسی وقت یہاں سے کہیں چلا گیا جب یہ گھسیارہ حضور کے دربار کی طرف گیا تھا۔"

"افسوس صد افسوس!" بادشاہ اداس ہو گیا اور تھوڑی دیر گاؤں میں ٹھہر کر واپس گیا۔

درخت کی گواہی

بادشاہ سوچنے لگا کہ کس طرح دانا حکیم کو کھوج نکالے۔ اس نے ایک تدبیر سوچی۔ اعلان کرا دیا کہ جو شخص سب سے زیادہ سمجھدار آدمی کو بادشاہ کے پاس لائے گا اسے ایک ہزار اشرفیاں انعام میں دی جائیں گی۔ بادشاہ کا خیال تھا کہ اب آسانی سے حکیم صاحب ہاتھ نہ آئیں گے اگر کہیں کسی کو وہ سمجھداری کی بات بتائیں گے تو اسی وقت وہاں سے بھاگ کر کہیں چھپ جائیں گے۔ اور حکیم صاحب بھی یہ جانتے تھے کہ بادشاہ کو ذرا شک ہوا تو وہ آدھمکے گا اور پھر یہ شعر پڑھے گا کہ :-

نگاہیں کاملوں پر پڑ ہی جاتی ہیں زمانے کی
کہیں چھپتا ہے اکبر پھول پتوں میں نہاں ہو کر

دانا حکیم نے بھی ٹھیک ہی سوچا تھا۔ اگر حکیم صاحب بھاگ نہ جاتے تو بادشاہ نے ان کو پا ہی لیا تھا۔

اچھا صاحب! لوگ ایک سے ایک سمجھدار آدمی کو لانے لگے۔ بادشاہ نے ہر ایک سے باتیں کیں۔ سمجھدار آدمی پایا تو اس سمجھدار آدمی کو بھی انعام دیا اور اس کے لانے والے کو بھی لیکن اسے تو حکیم کی تلاش تھی۔ اب تک آنے والوں میں کوئی دانا حکیم نہ تھا لیکن اس اعلان سے یہ فائدہ ضرور ہوا کہ بادشاہ اپنے ملک کے سمجھدار آدمیوں کو جان گیا۔ اس نے چھوٹے وزیر کو حکم دیا کہ ان سب کے نام اور پتے رجسٹر میں لکھنا جائے۔

ڈیڑھ مہینے کے بعد بادشاہ کے ایک قاضی صاحب کا خط آیا کہ میں نے دانا حکیم کو پالیا ہے اور انھیں لے کر دربار میں آرہا ہوں۔ یہ کہانی میں حضور کے سامنے ہی سناؤں گا کہ میں نے دانا حکیم کو کیسے پہچانا۔

یہ خط پاکر بادشاہ بہت خوش ہوا۔ اس نے قاضی صاحب اور دانا حکیم کے استقبال کا انتظام کیا پھر جب اس کے سپاہیوں نے خبر دی کہ قاضی صاحب دانا حکیم کو لیے ہوئے شہر میں داخل ہوگئے تو بادشاہ نے دربار کے کچھ لوگوں کو چھوٹے وزیروں کے ساتھ ان کے استقبال کو بھیجا اور جب وہ دربار کے پھاٹک کے پاس آئے تو بادشاہ خود انھیں لینے آگے بڑھا۔ دانا حکیم کو گلے سے لگالیا۔ قاضی صاحب کو بھی عزت کے ساتھ لایا۔ دونوں کو بٹھایا پھر قاضی سے پوچھا " ہاں، کس طرح ملے حکیم صاحب؟" قاضی نے اس طرح بتانا شروع کیا کہ :۔

" میری عدالت میں ایک مقدمہ پیش ہوا۔ ایک شخص نے دوسرے شخص کو ایک ہزار دینار امانت کے طور پر دیے کہ رکھ لے اور خود سفر پر چلا گیا۔ کچھ دنوں کے بعد واپس آیا تو دوسرے شخص نے دینے سے انکار کر دیا بولا کہ مجھے کب دیے؟ مقدمہ میری عدالت میں آیا تو میں نے گواہ طلب کیے۔ اب دیکھیے گواہ کوئی نہ تھا لیکن میں دونوں کے بیان سُن کر سمجھ گیا کہ ہزار دینار امانت میں رکھے ضرور گئے اور دوسرے شخص نے خیانت کی لیکن میری سمجھ میں یہ نہیں آرہا تھا کہ کیا کروں۔ میں نے فیصلہ

دوسرے دن کے لئے اُٹھا رکھا۔ عدالت کا وقت ختم کر کے گھر چلا گیا۔ میں بہت ہی سوچ میں تھا۔

گھر جا کر بھی میں سوچتا رہا۔ میرے گھر والوں نے مجھے فکر مند دیکھا تو حال پوچھا۔ میں نے سب حال کہہ دیا اور کہا کہ اگر گواہ نہ ملے تو بے چارے کے ایک ہزار دینار جاتے رہیں گے۔ یہ بات میری بڑی بیٹی نے سُنی۔ مغرب کے بعد ایک مولوی صاحب میری بیٹی کو پڑھانے آتے تھے۔ بیٹی نے مولوی صاحب سے مقدمے کا حال بتایا تو مولوی صاحب نے مجھے بلا بھیجا۔ میری زبانی حال سنا۔ بولے۔ اس میں گھبرانے کی کیا بات ہے۔ اس کے بعد ایسی ترکیب بتائی کہ میں پھڑک اُٹھا۔

"کیا؟" بادشاہ نے قاضی صاحب سے پوچھا۔

"عرض کرتا ہوں۔ دوسرے دن جب میں عدالت میں پہنچا اور دونوں شخص حاضر ہوئے تو میں نے مدعی سے (یعنی جس نے دعویٰ کیا تھا، جس نے امانت رکھوائی تھی اس سے) پوچھا۔ جس جگہ تم نے امانت رکھنے کو اشرفیاں دی تھیں اس جگہ کوئی ٹیلہ، کوئی درخت، کوئی ندی، کوئی نالہ کچھ تو ضرور ہوگا؟

"جی ہاں ایک درخت تو پاس تھا" اس نے بتایا۔

میں نے کہا "جاؤ اس درخت کو بلا لاؤ۔ وہ گواہی دے گا۔"

"اہا! کیا مزے دار مقدمہ ہے!" بادشاہ اور اس کے دربار کے سبھی لوگوں کو لطف آنے لگا۔ قاضی صاحب نے بتایا کہ حضور! جس طرح آپ صاحبان کو اس پر تعجب ہو رہا ہے کہ درخت گواہی کے لیے کیسے آئے گا، اسی طرح عدالت میں لوگوں کو میری بات پر تعجب ہوا۔ خود مدعی یہ سمجھا کہ میں اس سے مذاق کر رہا ہوں۔ بے ایمان مدعیٰ علیہ بھی مسکرایا کہ درخت بھی کہیں آتا جاتا ہے اور بولتا ہے لیکن میں نے

زبردستی مدعی کو اس درخت کی طرف روانہ کر دیا۔ مدعیٰ علیہ کو ایک طرف بیٹھ جانے کو کہدیا۔ اس کے بعد دوسرا مقدمہ کرنے لگا۔

کچھ دیر کے بعد میں نے مدّعیٰ علیہ سے پوچھا۔ "کیا وہ شخص اس درخت کے پاس پہنچ گیا ہوگا؟" اس نے کہا "ابھی نہیں؟" حضور! آپ صاحبان مسکرانے لگے۔ شاید آپ سمجھ گئے۔ دل میں تو مَیں بھی مُسکرایا تھا لیکن میں نے ظاہر ہونے نہیں دیا۔ جب مدّعی واپس آیا تو اس نے کہا "یہ آپ نے مجھ سے کیا مذاق کیا۔ میں نے درخت سے کہا چل کر گواہی دے مگر درخت بھی کہیں چلتا یا بولتا ہے؟ آپ نے ناحق مجھے تھکایا۔"

مدّعی اس طرح شکایت کرنے لگا۔ میں نے اس سے کہا "وہ درخت تو آکر گواہی بھی دے گیا۔ اس نے گواہی دی کہ ہاں ایک ہزار اشرفیاں امانت دی گئی ہیں۔

"ارے واہ! یہ کیسے؟" عدالت میں جتنے لوگ تھے۔ سب نے دانتوں تلے انگلی دبالی۔ مدّعیٰ علیہ سب سے زیادہ تعجب میں تھا اور پریشان بھی۔ اس نے پوچھا کہ درخت یہاں کب آیا؟ میں نے اس سے کہا کہ میں نے تم سے پوچھا تھا کہ کیا وہ شخص درخت کے پاس پہنچ گیا؟ تم نے جواب دیا تھا کہ ابھی نہیں۔ اگر تم کو امانت نہیں دی گئی ہوتی تو تم کہتے کیا پتہ، میں کیا جانوں درخت ورخت۔ تم نے صاف کہا کہ ابھی نہیں۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ تم کو اشرفیاں دی گئیں۔ اب خیریت چاہتے ہو تو اشرفیاں حاضر کر دو ورنہ تمھارا گھر کھدوا ڈالوں گا۔

وہ کیا جواب دیتا۔ اس نے اشرفیاں لاکر دیں۔ اشرفیاں مدّعی کو مل گئیں۔ پھر میں نے مدّعا علیہ کو جیل بھیج دیا اور ساتھ ہی مولوی صاحب پر پہرہ لگا دیا کہ یہ کہیں جانے نہ پائیں۔ میں نے سمجھ لیا کہ ہو نہ ہو یہ دانا حکیم ہی ہیں۔ میں نے مولوی صاحب سے کہا انھوں نے اقرار کیا اور پھر میں آپ کے پاس لے آیا۔

قاضی صاحب نے مقدمے کا حال بتایا تو کہانی سے زیادہ لوگوں کو مزہ آیا۔

اور پھر سب وہی شعر پڑھنے لگے جو بادشاہ نے پڑھا یعنی یہ کہ :-

نگاہیں کاملوں پر پڑ ہی جاتی ہیں زمانے کی
کہیں چھپتا ہے اکبر پھول پتّوں میں نہاں ہو کر

اس کے بعد بادشاہ نے قاضی صاحب کو تین دن مہمان رکھا۔ تین دن کے بعد ان کے گھر واپس کر دیا اور دانا حکیم سے کہا کہ اب آپ نہ جائیے گا۔ آپ کے چلے جانے سے مجھے ایسا لگتا ہے جیسے کسی نے میرے ہاتھ پیر کاٹ لیے۔ مجھ سے کچھ بھی تو نہیں ہو پاتا۔

اگر اب آپ پھر بھاگے ؟

اس مرتبہ بادشاہ دانا حکیم کو لایا تو ایک نیا انتظام کیا۔ اس نے ایک بڑا اچھا خوبصورت باغ لگوایا۔ اس باغ میں ہر طرح کے پھولوں کے پودے تھے۔ قسم قسم کے پھلوں کے پیڑ تھے۔ چمن چمن میں بڑی اچھی روشیں بنوائیں۔ باغ میں پانی کی نہریں نکالیں۔ ان نہروں سے باغ ہمیشہ ہرا بھرا رہتا تھا۔ اس باغ کے ٹھیک بیچوں بیچ بادشاہ نے ایک بارہ دری بنوائی۔ اس بارہ دری کے اوپر دوسری بارہ دری بنوائی۔ اس کے اوپر تیسری بارہ دری بنوائی۔ اس طرح تلے اوپر بارہ دری بنواتا چلا گیا۔ ایک منزل۔ دو منزل۔ تین منزل۔ بادشاہ نے بیس منزلہ عمارت بنوا ڈالی۔ جی ہاں بیس منزلہ۔ یعنی بہت اونچی۔ سب سے اوپر ایک نہایت خوبصورت کمرہ بنوایا۔ اس کمرے میں آرام کا سارا سامان رکھا۔ اس اوپری کمرے تک جانے کے لیے بارہ دریوں کے اندر سے زینے اوپر کو گئے تھے۔ بادشاہ نے یہی کمرہ دانا حکیم کو رہنے کے لیے دیا۔ طریقہ یہ رکھا کہ جب رات ہوتی تو بادشاہ دانا حکیم کو اوپر والے

کمرے میں لے جاتا وہاں انھیں آرام کرنے کے لیے چھوڑ دیتا۔ خود چلا آتا اور نیچے اترتے ہوئے زینوں میں قفل لگاتا جاتا۔ کنجیاں اپنے پاس رکھتا۔ باغ اور بارہ دری کی نگرانی کے لیے سو آدمی مقرر کر دیے جو باری باری سے وہاں کام کرتے رہتے۔ یہ انتظام بادشاہ نے اس لیے کیا تھا کہ حکیم صاحب اب کسی طرح بھی بھاگ نہ سکیں۔

یہ انتظام کر کے بادشاہ نے دانا حکیم سے کہا کہ اگر اب بھی آپ بھاگ نکلے۔ تو آپ یہاں سے نکل کر کہیں اور نہ جائیے گا بلکہ میرے پاس آئیے گا۔ اس کے بعد میں آپ کا ایک اور امتحان لوں گا اگر اس امتحان میں آپ کامیاب ہو گئے تو میں خوشی خوشی آپ کو ہمیشہ کے لیے رخصت کر دوں گا۔ میں آپ سے یہ وعدہ کرتا ہوں۔ حکیم صاحب یہ بات سُن کر کچھ نہ بولے۔ اوپر کمرے سے نیچے جھانکا تو دل ہی دل میں کہا کہ یہاں سے کوئی کودے تو اس کی ہڈیاں اور پسلیاں چور چور ہو جائیں گی۔

حکیم صاحب بارہ دری کی آخری منزل پر اپنے کمرے میں راتیں بسر کرنے لگے۔ اور سوچنے لگے کہ یہاں سے کس طرح نکلا جا سکتا ہے۔ مگر بھائی سچی بات یہ ہے کہ دانا حکیم سچ مچ بڑے دانا تھے۔ ایک دن کی بات ہے۔ صبح ہوئی۔ بادشاہ نے آکر زینے کا قفل کھولا۔ دوسری منزل پر پہنچا۔ وہاں زینے کا قفل کھولا تیسری منزل پر پہنچا۔ اس طرح قفل کھولتا ہوا حکیم صاحب کے کمرے میں پہنچا تو کمرے میں حکیم صاحب کو نہ پایا۔ حکیم صاحب کے بستر پر ایک پرچہ پڑا دیکھا۔ اُسے اُٹھا لیا۔ اس میں لکھا تھا کہ "حضور! میں اس وقت آپ کے دربار کی حاضری کے لیے جا رہا ہوں"

بادشاہ دنگ رہ گیا۔ سوچنے لگا حکیم صاحب کس طرح نکل گئے۔ وہ اسی وقت دربار کی طرف چل دیا۔ وہاں حکیم صاحب موجود تھے۔ دوسرے درباری بھی آ چکے تھے۔ بادشاہ نے حکیم صاحب سے پوچھا کہ جب زینوں میں قفل

پڑے ہوئے تھے اور ان کی کنجیاں میرے پاس تھیں تو آپ کس طرح باہر نکلے؟ حکیم صاحب نے کہا کہ یہ بات میں وہیں چل کر آپ کو بتاؤں گا۔ بادشاہ کو یہ بھید معلوم کرنا ہی تھا۔ وہ باغ کی طرف چلا۔ سارے درباری بھی چلے۔ سب تعجب میں تھے اور سوچ رہے تھے کہ حکیم صاحب کمرے سے باہر کیسے آئے۔ بادشاہ سب کو لے کر زینوں پر چڑھتا ہوا اوپر پہنچا۔ حکیم صاحب کے کمرے میں جا کھڑا ہوا۔ پوچھا "ہاں اب بتائیے۔ یہاں سے کیسے نکلے آپ؟"

حکیم صاحب نے مسکرا کر جواب دیا کہ یہاں کوئی چیز ایسی نہ تھی جس کے ذریعہ میں باہر جا سکتا لیکن ہر وقت سوچا کرتا کہ یہاں سے کیسے نکلوں۔ اے بادشاہ! اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو عقل دی ہے اگر انسان اس سے کام لے، ہمت کرے اور گھبرائے نہیں، تو خدا اس کی مدد کرتا ہے۔ ایسی راہ نکال دیتا ہے کہ بندہ سوچ بھی نہیں سکتا۔ یہ اللہ کا فضل ہے اور اسی نے مجھے توفیق دی میں نے اس کی دی ہوئی عقل سے کام لیا۔ اللہ نے ایک تدبیر میرے دل میں ڈال دی۔ یہاں آپ نے میرے اوڑھنے اور بچھانے کے لیے ریشمی چادریں رکھ چھوڑی تھیں آپ جانتے ہیں کہ مسلمان مرد کے لیے ریشمی کپڑا استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔ اس لیے میں نے سوتی چادریں استعمال کیں۔ ریشمی چادروں کو ایک طرف تہہ کر کے رکھ دیا لیکن سوچتا رہا کہ یہ ریشمی چادریں بیکار رکھی ہیں۔ ان سے کچھ کام لینا چاہیے۔ بس پھر تدبیر سمجھ میں آگئی۔ میں نے ہر چادر کی لمبائی سے اس کی چٹیں پھاڑنا شروع کر دیں۔ میں نے قاعدہ یہ مقرر کیا کہ ایک رات میں تین چادروں کی پہلے چٹیں بناتا۔ پھر چٹوں کو بٹتا اور رکھ دیتا۔ ہر روز چٹیں بنا بنا کر بٹتا رہا۔ اس طرح میں نے ایک لمبی رسی بنالی۔ اس لمبی رسی میں ہاتھ ہاتھ بھر کے فاصلے سے گرہیں لگاتا چلا گیا۔ آج رات جب یہ رسی پوری ہو چکی تھی تو میں نے آپ کے آنے سے پہلے رسّی کو اپنے کمرے سے باہر لٹکا دیا اور اسی کے سہارے گرہوں کو پاؤں کے

انگوٹھوں اور انگلیوں سے پکڑتا ہوا نیچے اتر گیا۔ اگر ہیں یہ گرہیں نہ لگاتا تو ریشمی رسّی کو نہ تو ہاتھ سے مضبوط پکڑ سکتا تھا اور نہ انگوٹھوں سے۔ آپ سب لوگ جانتے ہیں کہ ریشم نہایت چکنا اور مضبوط ہوتا ہے۔"

اور وہ رسّی کدھر سے لٹکائی؟" بادشاہ نے حکیم صاحب سے پوچھا۔ حکیم صاحب نے ایک کھڑکی کا پردہ ہٹا کر دکھایا اور کہا کہ دیکھیے، اب تک لٹکی ہوئی ہے۔ اب آپ اور کیا امتحان لینا چاہتے ہیں فرمایئے؟

بیسن کے سَو لڈّو

آخری امتحان لینے کے لیے بادشاہ نے بیسن کے سَو لڈّو بنوائے۔ ان لڈوؤں کے بناتے وقت بیسن میں میوے پیس کر ڈالے گئے تھے۔ پستہ، بادام، کشمش اس طرح کے سبھی میوے کام میں لائے گئے تھے۔ بہت سا اصلی گھی بھی ملا دیا گیا تھا۔ لڈو تیار ہو گئے تو بادشاہ نے ان کو ایک کورے مٹکے میں بھروا دیا۔ بھروا کر باغ کی بارہ دری کے اوپر والے کمرے میں رکھوا دیا۔ دس گھڑوں میں پانی بھروا کر رکھ دیا اور دانا حکیم کو اسی کمرے میں بند کر کے کہہ دیا کہ اب ایک ہفتہ بعد آپ کو اس سے نکالا جائے گا۔ آپ ایک ہفتہ پہلے اس کمرے سے نکلنے کی کوشش نہ کیجیے گا۔ اگر کسی تدبیر سے باہر نکلے تو قتل کرا دیا جائے گا۔ اور دیکھیے ان لڈوؤں میں سے کوئی لڈو کم نہ ہونے پائے۔ پانی آپ ضرور پی سکتے ہیں۔ ایک ہفتہ بعد اگر آپ زندہ نکلے تو جہاں چاہے جا سکتے ہیں۔ میں آپ کو نہیں روکوں گا اور نہ پھر آپ کی کھوج میں رہوں گا۔

یہ کہہ کر بادشاہ نے کمرے میں قفل لگا دیا۔ زینوں سے اترتا ہوا اور

دروازوں میں قفل لگاتا ہوا نیچے اتر آیا۔ بارہ دری کے آس پاس پچاس سپاہیوں کا پہرہ لگا دیا اور انھیں حکم دیا کہ اگر حکیم صاحب کسی رسّی کے ذریعہ کمرے سے اتر کر بھاگنا چاہیں تو ان کو گرفتار کر کے میرے پاس لے آنا۔

یہ انتظام کر کے بادشاہ چلا آیا۔ کمرے میں حکیم صاحب بند ہو گئے۔ اب کمرے میں حکیم صاحب کا کام یہ تھا کہ وہ قرآن کی تلاوت کرتے۔ قرآن کی جو آیت تلاوت کرتے اس کا مطلب سمجھنے کی کوشش کرتے۔ نماز کا وقت آتا تو نماز پڑھتے۔ نفل نمازوں کا اہتمام بھی حکیم صاحب نے کیا۔ کچھ اور کتابیں بھی پڑھنے کے لیے رکھ لی تھیں، ان کا مطالعہ کرتے اور یہ سوچتے کہ جب بادشاہ نے کھانے کے لیے کچھ نہیں رکھا۔ صرف پینے کے لیے پانی دیا ہے تو پھر بغیر کھائے ایک ہفتہ تک کیسے زندہ رہا جا سکتا ہے۔ پہلے دن جب بھوک لگی تو پانی پی کر دن گذارا لیکن دوسرے دن کھانا نہ ملا تو بھوک لگی بہت بھوک لگی۔ جب بھوک لگتی تو ایک آدھ گلاس پانی پی لیتے۔ مگر پانی سے ایک، دو دن تو آدمی بھوک برداشت کر سکتا ہے اس سے زیادہ نہیں۔ حکیم صاحب سمجھ گئے کہ بادشاہ خفا ہو گیا ہے۔ اس نے مجھے مارنے کے لیے یہ تدبیر کی ہے۔

حکیم صاحب کے لیے ایک پریشانی اور تھی۔ بیسن کے لڈوؤں میں ہر قسم کا میوہ پڑا تھا۔ وہ اصلی گھی میں بنایا گیا تھا۔ زعفران میں اس میں پڑی تھی اور خوشبوئیں بھی اس میں ملی ہوئی تھیں۔ بھوک میں بیسن کے لڈوؤں کی خوشبو آتی تو حکیم صاحب بہت زیادہ بے چین ہو جاتے لیکن لڈو کھاتے کیوں؟ بادشاہ کا حکم تھا کہ اگر ایک بھی لڈو کم ہوا تو قتل کر دیئے جائیں گے۔ بس اسی ڈر سے لڈو کھا بھی نہیں سکتے تھے

دو دن تو حکیم صاحب نے پانی پی کر گذارے تیسرے دن ان کو بے حد بھوک لگی۔ لڈوؤں کی خوشبو سے کمرہ بسا ہوا تھا۔ بار بار حکیم صاحب کا جی چاہتا کہ ایک دو لڈو نکال کر کھالیں مگر کسی نہ کسی طرح صبر سے کام لے رہے تھے۔ وہ اپنی زندگی

کے لیے اللہ سے دعا بھی کر رہے تھے۔ دعا کرتے کرتے تین دن گذر گئے۔ چوتھے دن حکیم صاحب سے صبر نہ ہو سکا۔ انھوں نے سوچا کہ ایک ہفتہ تک بھوک برداشت نہیں کی جا سکتی۔ بھوک سے مرنا ہی پڑے گا کیوں نہ دو ایک لڈو کھالیں اسطرح ایک ہفتہ بعد بادشاہ قتل کرا دے گا۔ بہرحال دونوں صورتوں میں مرنا ہی ہے تو کیوں بھوکے رہیں۔ یہ سوچ کر وہ مٹکے کے پاس گئے۔ مٹکا کھولا۔ جیسے ہی انھوں نے دو تین لڈو اٹھائے تو انھوں نے دیکھا کہ لڈوؤں میں سے بہت سا چورا بُرا دے کی طرح گرا۔ یہ دیکھ کر اچانک ایک تدبیر ان کی سمجھ میں آگئی۔ ان کی سمجھ میں کیا آگئی۔ یوں کہیے۔ زندگی باقی تھی اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں تدبیر ڈال دی۔

اب حکیم صاحب نے بڑی آہستگی کے ساتھ مٹکے سے لڈوؤں کو نکالا۔ فرش پر کاغذ کے بڑے بڑے ٹکڑے بچھا دیے۔ ان پر لڈوؤں کو رکھا۔ اس کے بعد پھر سارے لڈو سنبھال کر مٹکے میں بھر دیے۔ اس طرح نکالنے اور بھرنے سے لڈوؤں کا بہت سا چورا کاغذ پر رہ گیا۔ یہ چورا ایک پاؤ سے کم نہ تھا۔ حکیم صاحب نے چورا کھایا۔ پانی پیا۔ اللہ کا شکر ادا کیا اور پھر قرآن کی تلاوت میں لگ گئے۔

حکیم صاحب روز یہی تدبیر کرتے۔ لڈو نکال کر کاغذ پر رکھتے اس کے بعد پھر مٹکے میں بھر دیتے۔ اس طرح روز ان کو چورا مل جاتا۔ اس سے وہ ایک ہفتہ تک فائدہ اُٹھاتے رہے۔ ایک ہفتہ کے بعد بادشاہ نے کمرے کا دروازہ کھولا۔ اندر دیکھا تو حکیم صاحب بیٹھے تلاوت کلام پاک فرما رہے تھے۔ ان کی صورت سے یہ ظاہر نہیں ہو رہا تھا کہ وہ بھوکے ہیں بلکہ چہرہ توانا لوگوں کی طرح تھا۔ بادشاہ سمجھ گیا کہ حکیم صاحب نے ضرور لڈو کھائے ہیں۔

بادشاہ تو یہ سوچ رہا تھا۔ ادھر حکیم صاحب نے بادشاہ کو دیکھا تو قرآن مجید جزدان میں لپیٹ کر الماری میں رکھ دیا اور بادشاہ کے استقبال کو اٹھے۔ آپس میں

سلام علیک ہوئی۔ بادشاہ کے پیچھے کچھ درباری بھی تھے۔ وہ بھی کمرے میں آ بیٹھے۔ بادشاہ کے حکم سے مٹکے کے لڈوؤں کو گنا گیا۔ وہ پورے تھو تھے۔ اب بادشاہ کو بڑا تعجب ہوا کہ حکیم صاحب نے کیا کھایا اور کس طرح زندہ رہے۔ اس نے حکیم صاحب سے پوچھا تو انھوں نے سارا حال کہہ سنایا اور بتایا کہ لڈوؤں کے چورے سے دن کاٹے۔

بادشاہ حکیم صاحب کے زندہ رہنے سے خوش ہوا لیکن اب اسکو یہ رنج تھا کہ وعدے کے مطابق وہ حکیم صاحب کو روک نہ سکے گا۔ چنانچہ اس نے حکیم صاحب کو ہمیشہ کے لیے رخصت کر دیا۔

دانا حکیم کا ایک لطیفہ

ایک بار دانا حکیم ایک رئیس کے مہمان ہوئے۔ اس رئیس نے خوشی خوشی حکیم صاحب کو مہمان بنایا۔ اس کے گھر بہت سی مرغیاں پلی ہوئی تھیں۔ اس کے گھر والوں میں ایک بیوی، دو بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔ رئیس نے اپنی بیوی سے کہا کہ مہمان کے لیے مرغی ذبح کرو اور پکا کر لاؤ۔ بیوی نے مرغی ذبح کی اور کھانا لاکر دستر خوان پر رکھا اور گھر کے سارے لوگ دستر خوان پر کھانے بیٹھے۔ رئیس نے دانا حکیم سے کہا آپ سمجھدار آدمی ہیں یہ مرغی انصاف کے ساتھ سب میں بانٹ دیں۔

حکیم صاحب نے کہا کہ زیادہ اچھا تو یہ ہے کہ ہم سب مل کر کھائیں لیکن اگر تم اسی پر راضی ہو تو میں کسی اچھے طریقے سے بانٹنا تو نہیں جانتا۔ ہاں ایک دلچسپ طریقہ یہ ہے۔ دیکھو!

"ر" سے رئیس اور "راس" راس معنے سر۔ یہ لیجیے رئیس صاحب،

مُرغی کا سر آپ نوش فرمائیے۔ (حکیم صاحب نے مرغی کا سر رئیس کی طرف بڑھا دیا)
"ب" سے بیٹا اور بازو۔ لہٰذا بازو بیٹوں کے۔ حکیم صاحب نے مرغی کے بازو دونوں بیٹوں کی طرف بڑھا دیئے۔
"د" سے دُم اور دختر۔ دختر کے معنیٰ بیٹیاں۔ اس لیے دُم بیٹیوں کو ملنا چاہیے۔ حکیم صاحب نے دم دونوں بیٹیوں کی طرف بڑھا دی۔
"ع" سے "عورت" اور "عجز" عجز کے معنیٰ دم کے پاس کا حصّہ۔ لہٰذا یہ پُٹھ عورت کی ہوئی۔ حکیم صاحب نے وہ عورت کی طرف بڑھا دی۔
"س" سے سفر اور سینہ۔ اس کے معنیٰ یہ ہوئے سینہ مسافر کا ہوا۔ یہ کہہ کر حکیم صاحب نے سینہ اپنے آگے رکھ لیا اور سب سے کہا "بسم اللہ۔ کھائیے"۔
کھانا کھانے کے بعد رئیس اور اس کے گھر والے حکیم صاحب کی اس تقسیم پر ہنس پڑے۔ انھیں بڑا مزہ آیا۔ ان کو ہنستا دیکھ کر حکیم صاحب نے کہا کہ شاید میری تقسیم تم کو پسند نہیں آئی۔ اچھا تو لو کھاؤ سب مل کر۔ میں نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ مجھے بانٹنا نہیں آتا۔ ساتھ کھانے میں برکت ہے۔
حکیم صاحب کے کہنے سے سب نے ایک ساتھ کھانا کھایا مگر اس تقسیم پر وہ بار بار ہنستے رہے۔ دوسرے دن رئیس نے بیوی سے کہا "آج پانچ مرغیاں مسلّم پکا کر لانا۔ جب کھانا پک کر دستر خوان پر آیا تو کل کی طرح آج بھی گھر کے سارے لوگ دستر خوان پر بیٹھے۔ حکیم صاحب سے کہا گیا کہ آج ان مرغیوں کو ہم سب میں انصاف کے ساتھ تقسیم فرما دیجیے۔
حکیم صاحب نے کہا "ساتھ مل کر کھاتے تو اچھا تھا۔ ساتھ کھانے میں برکت ہوتی ہے لیکن اگر تم یہی حکم دیتے ہو تو بتاؤ کہ جفت طریقے سے بانٹوں یا طاق طریقے سے۔ جفت کے معنیٰ ہیں وہ عدد جو دو سے تقسیم کیا جائے تو باقی کچھ نہ بچے جیسے

دو چار چھ آٹھ وغیرہ اور طاق کے معنیٰ وہ عدد جسے دو سے تقسیم کریں تو ایک باقی بچے۔ جیسے تین پانچ سات نو وغیرہ۔

رئیس مسکرایا اور اس نے کہا، "طاق طریقے سے تقسیم کر دیجیے اب حکیم صاحب نے اس طرح تقسیم کرنا شروع کر دیا" لو دیکھو اے رئیس! تو اور تیری بیوی اور ایک مرغی ملکر تین ہو گئے۔ لو یہ ایک مرغی۔ تیرے دو بیٹے اور ایک مرغی مل کر تین ہو گئے۔ یہ لو پیارے بیٹو! ایک مرغی۔ تیری دو بیٹیاں اور ایک مرغی مل کر تین ہو گئے۔ لو پیاری بیٹیو! ایک مرغی تم دونوں بھی۔ اب رہا میں تو ایک اور دو مرغیاں ملکر تین ہو گئے۔ یہ کہہ کر حکیم صاحب نے دو مرغیاں اپنے آگے رکھ لیں۔

یہ تقسیم دیکھ کر رئیس کو مزہ آگیا۔ وہ ہنسی کے مارے لوٹ پوٹ ہو گیا۔ پھر اس نے کہا، اچھا حکیم صاحب جفت طریقے سے بانٹ کر دکھائیے۔ حکیم صاحب نے کہا "شاید طاق کے طریقے کی تقسیم تم کو پسند نہیں آئی۔ اچھا لاؤ جفت طریقے سے تقسیم کر دوں۔ یہ کہہ کر حکیم صاحب نے سب مرغیاں اکٹھا کر کے رکھیں اور اب اس طرح تقسیم کرنے لگے۔

"دیکھو بھئی رئیس صاحب! تم اور تمھارے دونوں بیٹے اور ایک مرغی مل کر چار ہو گئے۔ لو تم تینوں ایک مرغی نوش فرماؤ۔ اور گھر کی عورت اور اس کی دونوں بیٹیاں اور ایک مرغی مل کر چار ہو گئے۔ لو بھئی تم تینوں بھی ایک مرغی تناول فرماؤ۔ اب رہا میں اور تین مرغیاں۔ یہ بھی مل کر چار ہو گئے۔ یہ کہہ کر حکیم صاحب نے تین مرغیاں اپنے آگے رکھ لیں پھر ہاتھ اٹھا کر اس طرح دعا کی " اے اللہ! تیرا لاکھ احسان ہے۔ تو نے ہی مجھے اس طرح تقسیم کرنے کی سمجھ عطا فرمائی۔۔۔۔

حکیم صاحب تو دعا کر رہے تھے اور رئیس کا یہ حال کہ وہ ہنسی کے مارے دُہرا ہوا جا رہا تھا اور یہی حال اس کے گھر والوں کا تھا۔ حکیم صاحب نے سب کو

ہنستے دیکھا تو کہا کہ میں جانتا تھا کہ تم کو میری تقسیم پسند نہیں آئے گی۔ اچھا تو لو سب مل کر کھاؤ۔ مل کر کھانے میں برکت ہے۔

اسکے بعد سب نے مل کر کھایا۔ اور رئیس حکیم صاحب کی دانائی کا لوہا مان گیا۔